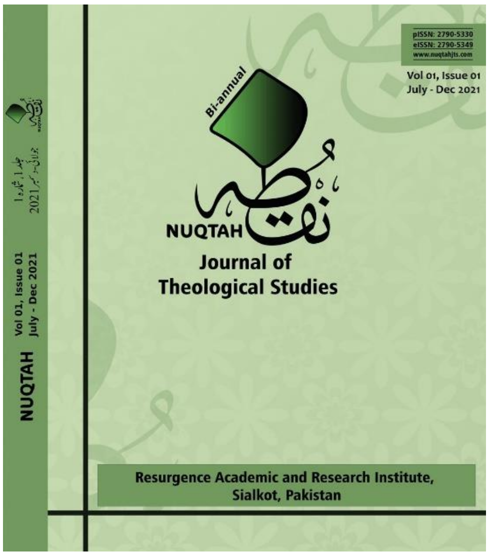


**NUQTAH** Journal of Theological Studies
**Editor: Dr. Shumaila Majeed**
(Bi-Annual)
Languages: Urdu, Arabic and English
pISSN: 2790-5330 eISSN: 2790-5349
https://nuqtahjts.com/index.php/njts

**Published By:**
Resurgence Academic and Research Institute, Sialkot (51310), Pakistan.
**Email:** editor@nuqtahjts.com

# نعمۃ الباری میں مختلف الحدیث کا منہج واسلوب

# Methodology and style of differences of Ḥadīth In Naiʿmat-ul-Bārī

**Dr. Hafiz Mohammad Imtiaz,**
Lecturer Islamic Studies, Punjab Group of Colleges, Sialkot
hafizimtiaz019@gmail.com

Published online: 31st December 2021

View this issue

OPEN ACCESS

CC BY

Complete Guidelines and Publication details can be found at:
https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

# نعمۃ الباری میں مختلف الحدیث کا منہج واسلوب

# Methodology and style of differences of Ḥadīth In Naiʿmat-ul-Bārī


## ABSTRACT

*Allāmah Ghulām Rasūl Saʿīdī* has carried out a lot of work on the science of *ḥadīth*. His scholarly work on the various *aḥādīth* is recognized as noteworthy and significant. This work of recognizing and applying method and style between conflicting *aḥādīth* is known as the science of differentiating *aḥādīth*. In the case of such different *aḥādīth*, the rules of preference and application have been formulated and applied. From this article, it becomes clear that *Allāmah Saʿīdī's* work on various *aḥādīth* is more prominent than the work of other commentators. In these *ḥadīth* studies, faith has been applied to all the conflicting *aḥādīth* on acts of worship and other subjects, which makes *Allāmah Saʿīdī's* style of application unique from other commentators. Moreover, it is apparent that *Allāmah Saʿīdī* agrees with some commentators in some places and disagrees with others as is clear from the examples offered in detail in this article. Finally, this article analyzes and discusses the contradictory traditions found about the branches of faith, the characteristics of Islam, the performing of prayers in the House of Allah, the washing of feet in *ghusl*, the reward for attending the congregational prayers, the greeting of non-Muslims, the virtue of fasting, and the seal of the prophethood. It also looks into the application of the conflicting traditions of widows using *surmah,* a cosmetic preparation used by women to darken the edges of their eyelids.


**Keywords:** *Naiʿmat-ul-Bārī, Mukhtalaf ul ḥadīth, Ghulām Rasūl Saʿīdī,* Methodology.

علامہ غلام رسول سعیدیؒ(م2016ء)دورِ حاضر کے بہت بڑے عالمِ دین تھے۔وہ محدث، فقیہ، مدرّس، خطیب اور مفسِّر ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مصنّف بھی تھے۔ آپ کی علمی و تحقیقی تصانیف امتِ مسلمہ کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہیں۔ آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں۔ تفسیر تبیان القرآن مجلدات:12 ، نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری مجلدات:16، شرح صحیح مسلم مجلدات:7، تذکرۃ المحدّثین اور مقامِ ولایت و نبوت کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ صحیح بخاری کی شرح کی پہلی سات جلدیں فرید بک سٹال لاہور کی شائع کردہ ہیں ان کا نام "نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری" ہے جبکہ بقیہ نو جلدیں "نعم الباری فی شرح صحیح البخاری" کے نام سے ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی کی شائع کردہ ہیں۔زیرِ نظر تحقیقی مضمون میں ہمارے پیشِ نظر نعمۃ الباری اور نعم الباری کی یہی سولہ جلدیں ہیں۔علامہ سعیدی کے علوم الحدیث کے کام میں مختلف الحدیث کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مختلف اختلاف سے ماخوذ ہے جو اتّفاق کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے تخالف القوم واختلفوا جب تمام افراد ایک دوسرے کے مخالف سمت چل پڑیں۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی(م852ھ)لکھتے ہیں کہ اگر حدیث مقبول کے مقابلے میں دوسری حدیث متعارض نہ ہو تو اسے محکم کہتے ہیں اور اگر اس کے مقابلے میں دوسری متعارض حدیث ہو اوران دونوں میں تطبیق ممکن ہو تو اس کو "مختلف الحدیث" کہیں گے-[2] تطبیق مقبول احادیث میں ہو گی مردود حدیث ساقط ہو جاتی ہے۔حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

"فان امکن الجمع فهو النوع المسمى مختلف الحديث"[3]

"اگر جمع ممکن ہو تو اس نوع کو "مختلف الحدیث" کہا جائے گا-"

ایسی دو احادیث جن میں تطبیق ناممکن ہو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ایک حدیث کا دوسری کو منسوخ کرنا ثابت ہو، دونوں کی تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نسخ تو ثابت نہ ہو سکے تو پھر ترجیح کا راستہ اختیار کیا جائے گا اور اگر ترجیح کی صورتیں معلوم نہ ہو سکے تو عمل کے اعتبار سے دونوں احادیث پر توقف کیا جائے گا۔[4] اکثر محدّثین "مختلف الحدیث" اور "مشکل الحدیث" کو ایک ہی سمجھتے ہیں البتہ بعض محدثین نے فرق بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر اسامہ بن عبد اللہ الخیاط(م1434ھ)مشکل الحدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"احاديث مروية عن رسول صلى الله عليه وسلم بأسانيد مقبولة يوهم ظاهرها معانى مستحيلة او معارضة لقواعد شرعية ثابتة "[5]

"ایسی احادیث جو رسول اللہ ﷺ سے مقبول اسناد سے مروی ہو جن کا ظاہر ایسے معانی کا وہم ڈالے جو معانی محال ہو یا مسلمہ شرعی قواعد کے معارض ہو۔"

جبکہ مختلف الحدیث وہ مقبول حدیث ہے جس کے مقابلے میں دوسری مقبول حدیث ہو اور اس میں تطبیق ممکن ہو۔ متعارض احادیث کے مابین ترجیح و تطبیق کے کچھ اصول وضع کئے گئے ہیں۔ مثبت روایات کو منفی روایات پر ترجیح ہوتی ہے۔[6] کثرت اور قلت روایات سے ترجیح نہیں ہو سکتی۔[7] احفظ اور اثبت روایات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔[8] فقہائے کرام کی روایت کردہ حدیث کو ترجیح حاصل ہو گی۔[9] صاحب واقعہ کی روایت کو ترجیح حاصل ہو گی۔[10] متعارض احادیث میں تین طریقے اختیار کئے جاتے ہیں نسخ، ترجیح، تطبیق۔[11] ایسی دونوں حدیثیں جن کے مابین تطبیق کرنا ممکن ہو ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے۔[12] مدنی روایت کو مکی روایت پر مقدم کیا جائے گا۔[13] جب ایک حدیث قوی ہو اور دوسری منفرد اور شاذ ہو تو شاذ روایت مردود ہوتی ہے۔[14]

علامہ سعیدی نے نعمۃ الباری میں ان اصولوں کا ذکر تو نہیں کیا البتہ ان اصولوں پر ان کا کام موجود ہے۔ بعض جگہ علامہ سعیدی دیگر شارحین کی تطبیق سے اختلاف کرتے ہیں بعض جگہ تائید کا پہلو نمایاں ہے جن سے اختلاف کرتے ہیں ان میں حافظ ابن حجر (م852ھ)، علامہ عینی (م855ھ) قابلِ ذکر ہیں مختلف الحدیث کے کئی دوسرے نام بھی ملتے ہیں "تلفیق الحدیث"، "تاویل الحدیث"، تاویل مختلف الحدیث وغیرہ علماء نے اس فن میں بہت سی کتب لکھیں۔ امام شافعی (م204ھ) نے "اختلاف الحدیث" ابن قتیبہ (م276ھ) نے "تاویل مختلف الحدیث"، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلام (م321ھ) نے "مشکل الآثار" اور امام محمد بن عبداللہ بن مسلم قتیبہ دینوری (م276ھ) نے "تاویل مختلف الحدیث" لکھی۔ علامہ سعیدی نے متعارض احادیث کے تعارض کو دور کرنے میں جو منہج و اسلوب اختیار کیا ہے اس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

## 1۔مباحثِ ایمان

### ا۔ایمان کی شاخوں سے متعلق روایات:

رسول اللہ ﷺ کا ہر فرمان لاکھوں حکمتوں کا حامل ہے کچھ روایات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے جبکہ وہ حقیقتاً نہیں ہوتا رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف احکام ارشاد فرمائے پڑھنے یاسننے والا سمجھتاہے ان کے مابین تعارض ہے لیکن وہ تعارض نہیں ہوتا۔ محدثین نے ایسی روایات کے مابین تطبیق کی ہے جس طرح کے ایمان کی شاخوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کی تہتر (73) شاخیں ہیں۔[15] صحیح مسلم کی روایت میں ساٹھ کا ذکر ہے۔[16]سنن نسائی کی روایت کے مطابق ایمان کی ستر شاخیں ہیں۔[17] ان متعارض احادیث کے متعلق مولانا تقی عثمانی (پ1943ء) لکھتے ہیں:"درحقیقت یہاں جو ستّون یاسبعون کا عدد مذکور ہے اس سے تحدید مراد نہیں کہ اتنا محدود کر کے بیان کرنا مقصود ہو بلکہ اس کا مقصد تکثیر کا بیان ہے"[18]مولانا معین الدّین خٹک لکھتے ہیں:"ان احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے"کہ یہاں ستّون یا سبعون کے تذکرہ سے مقصود عددِ معین نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مقصود کثرت ہے-"[19]علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

"یہ بھی ہوسکتاہے کہ ساٹھ یاستّر کاعدد تکثیر کے لیے فرمایاہونہ کے حصر کے لیے جیسے ہم کہتے ہیں میں نے تم سے سو مرتبہ یہ بات کہی ہے یعنی بہت دفعہ یہ بات کہی ہے۔یہ بھی ہوسکتاہے کہ ایمان کی شاخوں کی تعداد ساٹھ سے زائد ہی ہو لیکن ہر شاخ کے تحت پھر شاخیں ہو اس وجہ سے ان کی تعداد زیادہ ہوگئی ہو"

تو یہ ممکن ہے کہ بنیادی طور پر ایمان کی شاخیں ساٹھ ہو یاساٹھ سے زائد ہو اس کے تحت آگے کئی شاخیں ہو اور یہ بھی ممکن ہے ابتداء میں ایمان کی شاخیں ساٹھ کے عدد میں منحصر ہو پھر جس طرح احکامات نازل ہوتے رہے ان کی شاخوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتارہایہ بھی ممکن ہے کہ ساٹھ یاستّر کاعدد تکثیر کے لیے ہو۔اس کی مثال قرآن مجید میں بھی موجود ہے:

"إِن تَسْتَغْفِرْلَہُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَاللہُ لَہُمْ"[20]

"اگر آپ (اپنی طبعی شفقت اور عفو ودر گزر کی عادتِ کریمانہ کے پیشِ نظر) ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش طلب کریں تو بھی اللہ انہیں ہر گز نہیں بخشے گا"

اس کا یہ مطلب یہ نہیں کہ ستّر سے زیادہ اسی یا نوے کر دیا جائے تو معافی ہو جائے گی اس سے مراد کثرت ہے ایسے ہی ان روایات سے مراد بھی کثرت ہے- جیسے کوئی کسی شخص سے کہے میں نے بیسیوں بار تمہیں سمجھایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے واقعتاً بیسیوں بار ہی کہا ہو ہے۔ اگر ان احادیث کے درمیان اس طرح مطابقت قائم کی جائے تو تعارض باقی نہیں رہتا یہی اسلوب علامہ سعیدی نے اپنایا ہے۔ان شاخوں کے تعین میں آئمہ دین نے کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں امام ابو عبد اللہ حلیمی نے "فوائد المہناج"۔ حافظ ابو بکر بیہقی (م458ھ) نے "شعب الایمان"۔ امام ابو حاتم نے "وصف الایمان وشعبہ" کے نام سے کتب لکھی ہیں۔

## ۲۔اسلام کی افضل خصلت:

اسلام کی کون سی خصلت افضل ہے مسلمان بھائی کو کھانا کھلانا یا اپنے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان کو محفوظ رکھنا، مسلمان کو کھانا کھلانے سے رزق میں برکت نازل ہوتی ہے، مسلمان کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے، مسلمان ایک دوسرے کو ملتے وقت گفتگو کا آغاز سلام سے کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے جو السلام علیکم کہے اس کے لئے دس ورحمۃ اللہ کے اضافے پر بیس وبرکاتہ کے ساتھ تیس ومغفرتہ کے ساتھ چالیس نیکیاں ہیں۔[21] رسول اللہ ﷺ نے مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کا اجر وثواب متعیّن فرمایا ہے۔ کہیں کھانا کھلانے کا ثواب، کہیں دوسروں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے تکلیف نہ دینے کا اجر وثواب مقرر فرمایا ہے۔اسلام کی خصلت کے حوالے سے صحیح بخاری کی دو مختلف روایات ہیں

" قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الإِسْلاَمِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ،وَيَدِه"[22]

"صحابہ نے کہا: یارسول اللہ!اسلام کی کون کی خصلت سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

" أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيُّ الإِسْلاَمِ خَيْرٌ؟ قَالَ:تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلاَمَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ"[23]

"ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کی اسلام کی کون سی خصلت سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، جن کو تم پہچانتے ہو اور جن کو تم نہیں پہچانتے۔" ان روایات میں تطبیق کرتے ہوئے مولانا معین الدّین خٹک لکھتے ہیں:

"خیریت اور افضلیت کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ ان کے درمیان صرف فرق یہ ہے۔ کہ افضلیت بمعنٰی کثرتِ ثواب ہے۔ تو أی الاسلام أفضل کا معنٰی یہ ہے کہ اسلام کے اعمال میں سے کون سا عمل ایسا ہے جس کا فائدہ اور نفع زیادہ ہے۔ تو خیر سے کثرتِ نفع مراد ہے۔ اور افضلیت سے کثرتِ ثواب مراد ہے۔"[24]

علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

"لفظ افضل اور خیر میں فرق ہے فضل کا معنٰی کثرت ثواب ہے یہ قلت کے مقابلے میں ہے اور خیر کا معنٰی ہے نفع اور یہ شر کے مقابلے میں ہے پس فضل کمیت کے قبیل سے ہے اور خیر کیفیت کے قبیل سے ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ مختلف جواب اختلاف سائلین اور اختلاف سامعین کے اعتبار سے ہو"[25]

اگر کوئی آدمی مغلوب الغضب تھا اس کے لئے افضل عمل اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا قرار دیا جو شخص مسلمانوں کو کھانا نہیں کھلاتا تھا یا سلام نہیں کرتا تھا اس کے لیے اسلام کی اچھی خصلت کھانا کھلانا اور سلام کرنا قرار دیا ان احادیث کے درمیان تطبیق کرنے میں حافظ ابن حجر، علامہ عینی، سلیم اللہ خان، انور شاہ کشمیری، معین الدّین خٹک نے قلم کو حرکت نہیں دی۔ علامہ سعیدی نے بہتر اسلوب اختیار کیا ہے کہ فضل کا معنٰی کثرت ثواب ہے یہ قلت کے مقابلے میں ہے جبکہ خیر کا معنٰی نفع ہے یہ شر کے مقابلے میں ہے۔ خاص طور پر علامہ سعیدی کی دوسری بات زیادہ اہم ہے کہ آپ کے مختلف جواب، اختلاف سائلین کے حوالے سے ہیں۔ آپ کی خدمات میں ہر قبیلے کے اور ہر طرح کے لوگ آتے تھے اس لئے آپ نے لوگوں کے احوال کے مطابق ان کو جواب ارشاد فرمائے ہیں۔

## 2۔ مباحثِ عبادات

### ا۔ باجماعت نماز کا ثواب:

قرآنِ مجید نے متعدد بار نماز کا حکم دیا ہے، نماز گناہوں کا کفارہ ہے، نماز مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرتی ہے۔

تنہاء نماز ادا کی۔

جائے تو ایک نماز کا ثواب ہے باجماعت نماز کا ثواب پچیس یا ستائیس درجے زیادہ ہے۔ مسجدِ نبوی میں پچاس ہزار جبکہ مسجدِ حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔ باجماعت نماز ادا کرنے کے ثواب پر متعارض احادیث ہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے

"صَلاَةُ الجَمِيعِ تَزِيدُعَلَى صَلاَتِهِ فِي بَيْتِهِ،وَصَلاَتِهِ فِي سُوقِهِ، خَمْسًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً"[26]

"جماعت کے ساتھ نماز، کسی شخص کی اپنے گھر میں نماز اور اس کی بازار میں نماز پر پچیس درجہ زیادہ ہوتی ہے"

اس روایت میں باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب پچیس درجے ہیں جبکہ حضرت ابنِ عمر سے روایت ہے،

"صَلاَةُ الجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاَةَ الفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً"[27]

"جماعت کے ساتھ نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔"

یہ حدیث دیگر احادیث کی کتب میں بھی موجود ہے بظاہر ان میں تعارض پایا جاتا ہے مولانا تقی عثمانی (پ 1943ء) لکھتے ہیں

"جماعت وہ ہے جو تین افراد پر مشتمل ہو۔ تو اگر کم سے کم تین افراد کی جماعت سمجھی جائے تو "کلّ حسنة بعشر امثالها" کے قاعدہ سے ہر ایک کی نماز دس درجہ کی فضیلت رکھے گی اور تینوں کی مل کر تیس درجہ ہوئی۔ تو ان میں سے تین اصل ہے اس واسطے کہ تین آدمی تھے اور ستائیس فضیلت ہے تو اس واسطے ستائیس درجہ کہا گیا ہے۔"[28]

علامہ سعیدی نے ان احادیث کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے جس منہج و اسلوب کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے۔

"پہلے اللہ تعالیٰ نے پچّیس درجہ فضیلت کی خبر دی، پھر ستائیس درجہ فضیلت کی خبر دی کیونکہ ناقص مقدم ہوتا ہے اور زائد مؤخر ہوتا ہے۔ مسجد کے بغیر جماعت کے ساتھ نماز میں پچّیس درجہ فضیلت ہے اور مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے میں ستائیس درجہ فضیلت ہے۔ جس حدیث میں پچّیس درجہ فضیلت بیان کی گئی ہے، اس میں ہر قدم پر نیکی عطا فرمانے اور گناہ مٹانے کا بھی

ذکر ہے، جب کہ وہ حدیث میں ستائیس درجہ فضیلت مذکور ہے، اس میں ہر قدم پر نیکی عطا فرمانے اور گناہ مٹانے کا ذکر نہیں ہے۔ یوں ایک اضافی فضیلت کے ذریعہ پچیّس کو ستائیس کے برابر کیا گیا ہے۔ ثواب کے درجات کا یہ اختلاف نمازیوں کے مختلف احوال کے اعتبار سے ہے، جو شخص نماز کو کامل طریقہ سے اس کے تمام آداب کے ساتھ پڑھتا ہے، اس کو ستائیس درجہ ثواب ملتا ہے جو ان آداب کی رعایت نہیں کرتا، اس کو پچیس درجہ ثواب ملتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درجات کا یہ اختلاف نمازی کے خشوع وخضوع کی کمی یا بیشی کے اعتبار سے ہو۔ عصر اور فجر کی نمازوں میں چونکہ دن اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اس لئے ہو سکتا ہے ان میں ستائیس درجہ ثواب ہو اور باقی نمازوں میں پچیّس درجہ ثواب ہو۔ ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ قلیل کثیر کے منافی نہیں ہے۔"[29]

علامہ کرمانی (م786ھ) پچیّس درجہ فضیلت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس قسم کی چیزوں کا تو شارع علیہ السلام ہی کو علم ہے، لیکن بہ طور احتمال یہ کہا جاسکتا ہے کہ دن اور رات کی فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا اجر بڑھایا اور پانچ کو پانچ میں ضرب دی تو پچیّس کا عدد حاصل ہو گیا، لہٰذا ہر نماز کا اجر پچیّس گنا کر دیا، پھر اگر کہا جائے کہ ستائیس درجہ فضیلت کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دن اور رات کی فرض نمازوں کی رکعات کی تعداد سترہ ہے اور دن اور رات کی سنن مؤکدہ کی تعداد دس ہے تو ستائیس کا عدد حاصل ہو گیا تو اس طرح جماعت کے ساتھ نماز کا اجر ستائیس گنا کر دیا۔[30]

علامہ عینی (م855ھ) کہتے ہیں کہ

"مجھے جو وجہ منکشف ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو دگنا کر دیا اور چونکہ انسان پانچ وقت نماز پڑھتا ہے تو ان بیس میں پانچ اور ملائے تو پچیّس کا عدد حاصل ہو گیا لہٰذا جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا پچیّس گنا کر دیا گیا۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عدد میں اکائی ہے، دھائی ہے، ہزار ہے اور لاکھ ہے اور ان میں متوسط سینکڑہ ہے اور اس کا چوتھائی پچیّس ہے اور چوتھائی کل کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا متوسط پچیّس کا عدد ہو گیا اس لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب پچیس گنا ہے ستائیس درجہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ عینی (م855ھ) لکھتے ہیں کہ سابقہ تقریر کے لحاظ سے بہ طور فضل نمازوں کا اجر بیس درجہ ہے اور ہفتہ کے دن سات ہیں۔ لہٰذا جب بیس کے ساتھ سات ملائے تو ستائیس کا عدد حاصل ہو گیا اور یوں

جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا اجر ستائیس درجہ ہو گیا۔"[31]

علامہ سعیدی (م2016ء) مزید لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ یہ سب تک بندیاں ہیں اور ان کے انکشاف کی انوارِ الہیہ، اسرارِ ربانیہ اور عنایاتِ محمدیہ کی طرف نسبت کرنا مناسب نہیں ہے۔ اصل بات وہی ہے جو علامہ نورپشتی نے کہی ہے کہ اس کا حقیقی علم علومِ نبوت ہی کی طرف راجع ہے۔"[32]

اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو بہتر یہی لگتا ہے کہ اس کی وجہ علوم نبوت کی طرف راجع ہے اور ہماری عقلیں اس کے ادراک سے قاصر ہیں اس کے حقیقی سبب اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں- یا تو پہلے پچیس نمازوں کے برابر ثواب کے متعلق فرمایا گیا بعد میں ستائیس کا فرمایا گیا یا پھر اس کا تعلق خشوع و خضوع سے ہے جتنا جس کا خشوع و خضوع ہو گا اتنا زیادہ ثواب پائے گا ممکن ہے اس سے زیادہ بھی اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمادے اس قسم کی چیزوں کے اسرار تو حقیقی طور پر شارح علیہ السلام ہی جانتے ہیں لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ دن رات کی فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے اللہ نے اس کا ثواب بڑھا دیا پانچ کو پانچ سے ضرب دیں تو پچیس نمازوں کا ثواب ہو گیا- اور اگر کہا جائے ستائیس نمازوں کے ثواب کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب ہے کہ دن رات کی فرض نمازوں کی رکعات کی تعداد سترہ ہے جبکہ سنن مؤکدہ کی تعداد دس ہے تو اس طرح ستائیس کا عدد حاصل ہو گیا۔ بہر حال ان روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے- کیونکہ قلیل کثیر کے منافی نہیں ہوتا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے فوائد مثلاً نمازیوں کا جمع ہونا صفیں بنانا، اقتداء کے فوائد، شعائر اسلام کا اظہار یہ تمام چیزیں شارح علیہ السلام پر منکشف ہوئیں ممکن ہے پہلے پچیّس درجے ثواب ہو پھر یہ تمام چیزیں دیکھ کر ستائیس درجے ثواب کر دیا گیا تمام بحث کے بعد یہی کہا جا سکتا ہے ان روایات میں تعارض نہیں ہے تقی عثمانی کی نسبت علامہ سعیدی کی تطبیق کا اسلوب بہتر معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا حقیقی علم علومِ نبوت ہی کی طرف راجع ہے۔

**۲۔ بیت اللہ میں نماز کی ادائیگی:**

کعبہ کے اندر داخل ہونے کا موقع مل جانا خوش قسمتی ہے۔ آج کل تو بیت اللہ کا دروازہ بند رہتا ہے کبھی کبھار مسلم ممالک کے وزراء کے لئے کھولا جاتا ہے تاہم حطیم کی جگہ بیت اللہ کا جز ہے اس میں نماز ادا کرنا بیت اللہ کے اندر نماز ادا کرنا ہی ہے۔ حطیم

کو اس لیے کھلا رکھا گیا تاکہ عام مسلمان بھی یہ سعادت حاصل کر سکیں رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے اندر نماز ادا کی کہ نہیں اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

حضرت بلال سے روایت ہے

"رَكْعَتَيْنِ، بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ اللَّتَيْنِ عَلَى يَسَارِهِ إِذَا دَخَلْتَ، ثُمَّ خَرَجَ، فَصَلَّى فِي وَجْهِ الكَعْبَةِ رَكْعَتَيْنِ"[33]

"جب آپ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کی بائیں جانب جو دو ستون ہیں، ان کے درمیان آپ نے دو رکعت نماز پڑھی ہے، پھر آپ باہر نکلے اور کعبہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی"

حضرت بلال کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ آپؐ نے کعبہ میں نماز ادا فرمائی ہے جبکہ دیگر روایات سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپؐ نے کعبہ میں نماز ادا نہیں فرمائی جیسا کہ ترمذی میں اسامہ بن زید نے روایت کیا ہے کہ آپ نے بیت اللہ میں نماز نہیں پڑھی۔[34] حضرت ابن عباس نے بھی کہا کہ آپؐ نے نماز ادا نہیں فرمائی ان متعارض احادیث کے درمیان تطبیق کرتے ہوئے

مولانا تقی عثمانی (پ 1943ء) لکھتے ہیں: "کہ حضور اقدس ﷺ کا دخول کعبہ میں دو مرتبہ ہوا ہے، ایک فتح مکہ کے موقع پر اور دوسرا حجۃ الوداع کے موقع پر۔ آپؐ فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں داخل ہوئے تو نماز پڑھی تھی، اسی کا ذکر حضرت بلال نے فرمایا اور حجۃ الوداع کے وقت جب آپؐ کعبہ میں داخل ہوئے تو نماز نہیں پڑھی تھی، اور اس کا ذکر عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا۔"[35] علامہ سعیدی لکھتے ہیں

"حضرت بلال کی روایت راجح ہے، جس میں یہ ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت بلال، حضرت اسامہ اور حضرت عثمان بن طلحہ کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کا دروازہ بند کر دیا اور وہ سب دعا میں مشغول ہو گئے اور حضرت اسامہ نے دیکھا کہ نبیؐ دعا میں مشغول ہیں تو وہ بھی دعا میں مشغول ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ دوسری جانب تھے اور حضرت بلال آپ کے قریب تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، جس کو حضرت بلال نے آپ کے قریب ہونے کی وجہ سے دیکھ لیا اور آپ نے بہت تخفیف سے نماز پڑھی اور حضرت اسامہ آپ سے دور تھے اور بدستور دعا میں مشغول تھے، اس لیے وہ نہیں دیکھ سکے، اس لیے انہوں نے اپنے گمان کے مطابق آپ کے کعبہ میں نماز پڑھنے کی نفی کر دی۔"[36]

ان احادیث کو اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو حضرت بلال والی روایت جس میں حضور ﷺ کا کعبے میں نماز ادا کرنا ثابت ہے یہی روایت راجح محسوس ہوتی ہے کیونکہ ابتداء میں قانون بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ جب مثبت اور منفی روایات میں تعارض ہو تو مثبت روایت کو ترجیح دی جاتی ہے لہذا یہاں پر بھی مثبت روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

## 3۔مباحثِ اعمال

### ا۔ غسل میں پاؤں کو دھونے سے متعلق روایات:

غسل کرتے وقت پاؤں کو ابتداء میں دھونا ضروری ہے یا بعد میں بھی دھوئے جاسکتے ہیں اصل میں کچھ احکامات زمان ومکان کے تبدیل ہونے کے ساتھ ساتھ بدل جاتے ہیں اور ان کے تبدیل ہونے سے کوئی فرض یا واجب ترک نہیں ہوتا جس طرح وقت یا جگہ کا تقاضا ہو اسی پر عمل کر لیا جاتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے موقع و محل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کچھ احکامات ارشاد فرمائے ہیں۔ جس طرح کہ غسل کرتے وقت پاؤں کو شروع میں دھولینا چاہیے یا بعد میں اس پر دونوں روایات موجود ہیں۔

"حضرت میمونہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح وضو کیا، جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، ماسوا اپنے پیروں کے اور اپنی شرمگاہ کو دھویا اور اس پر جو نجاست تھی، اس کو دھویا، پھر اپنے اوپر پانی بہایا، پھر اپنے پیروں کو ایک طرف رکھ کر ان کو دھویا، یہ آپ کا غسل جنابت تھا۔"[37]

اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ اپنے پاؤں کو غسل کے بعد دھوتے تھے جبکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

"نبی ﷺ جب غسل جنابت کرتے تو پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے، پھر اسطرح وضو کرتے، جس طرح نماز کا وضو کرتے تھے، پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل کر کے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے، پھر اپنے ہاتھوں سے تین چلو پانی لے کر سر پر بہاتے، پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہاتے۔"[38]

اس حدیث میں ہے کہ آپ مکمل وضو فرمالیتے اپنے پاؤں مبارک بھی دھولیا کرتے تھے بظاہر تو ان دونوں میں تضاد ہے

.علامہ سعیدی اس تضاد کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر غسل کرنے کی جگہ صاف ہو اور غسل کا پانی گزرنے کے لیے نالی ہو یا پانی وافر مقدار میں ہو تو آپ وضو کے ساتھ پاؤں کو دھو لیتے تھے اور اگر غسل کی جگہ صاف نہ ہو یا غسل کا پانی نکلنے کے لیے کوئی نالی نہ ہو یا پانی کی مقدار کم ہو تو آپ پاؤں کا دھونا مؤخر کر دیتے اور غسل کے بعد پیروں کو دھوتے تھے۔"[39]

اس سے ثابت ہوا کہ دونوں روایات درست ہیں حضور ﷺ کے بعض کام خاص موقعہ محل کی مناسبت سے ہوا کرتے تھے بظاہر تو ان میں تضاد ہے لیکن اگر موقع محل کو دیکھا جائے تو تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو موقع محل پر منحصر ہے اگر جگہ بالکل پاک ہے گندی چھینٹیں پڑنے کا خدشہ نہ ہو تو پاؤں ساتھ ہی دھو لئے جائیں کوئی حرج نہیں اور اگر جگہ اس طرح کی ہو کہ پاؤں دھو لیں پھر گندے ہونے کا خدشہ ہو تو پھر مکمل غسل کرنے کے بعد پاؤں کو آخر میں دھو لیا جائے۔ آج کل چونکہ وضو، غسل کرنے کا بہتر انتظام موجود ہے عام طور پر لوگوں کے غسل خانے اس طرح کے بنے ہوئے ہیں جہاں چھینٹیں پڑنے کا احتمال نہیں ہوتا اس لئے جہاں اس طرح کا انتظام ہو وہاں ترتیب کو برقرار رکھا جائے۔

### ۲۔ ہجرت سے متعلق روایات:

اسلام کی خاطر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو ہجرت کہتے ہیں اسکی بہت سی صورتیں ہیں دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت، دارالکفر سے دارالسلام کی طرف ہجرت۔ ابتداء میں مسلمانوں کا مکہ معظّمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا، دارالخوف سے دارالامن کی طرف ہجرت تھا جو شخص کافروں کے ملک میں رہتا ہو اور وہاں شعائرِ اسلام اور اظہارِ دین پر قادر نہ ہو تو اس پر دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہے اگر وہ ہجرت کی استطاعت رکھتا ہو۔

جس طرح بھارت سے مسلمانوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کی۔ جیسے فرانس میں عورتوں کو چہرہ پر نقاب کرنا قانوناً ممنوع ہے تو وہاں کے رہنے والوں پر ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے ملک کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں پر وہ آزادی سے اسلام کے احکامات پر عمل کر سکیں۔ گناہوں سے نیکیوں کی طرف لوٹنا بھی ہجرت تصور کیا جاتا ہے۔ اگر ہجرت اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی رضا کے لیے ہو تو پھر کارِ ثواب ہے اور اگر دنیا اور اسکے حصول کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو پھر اس کی ہجرت دنیاوی مقاصد کے لیے ہی شمار ہو گی بعض اوقات ہجرت کرنا مستحب ہے بعض حالات میں ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ کیا اب بھی ہجرت کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اس حوالے سے مختلف روایات ہیں صحیح بخاری کی روایت ہے:

"قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا"[40]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فتح (مکہ) کے بعد کوئی ہجرت (فرض) نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تمہیں جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل پڑو" اس حدیث کے مطابق تو ہجرت نہیں ہے سوائے اس کے کہ جہاد کی ضرورت ہو جبکہ ابو داؤد کی روایت ہے: "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہو گی حتیٰ کہ توبہ منقطع ہو جائے اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہو گی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے"[41]

اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ ہجرت کرنے کا حکم قیامت تک برقرار ہے ان احادیث میں تطبیق کرتے ہوئے علامہ سعیدی لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ ابتداء اسلام میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا مستحب تھا، فرض نہیں تھا، قرآن مجید میں ہے:

"وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً"[42]

"اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا" یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اور مشرکین نے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں بہت شدت کر دی اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ آپ کی طرف ہجرت کریں، آپ سے دین سیکھیں اور اگر اچانک کوئی افتاد پڑے تو آپ کی مدد کریں اور اس زمانہ میں سب سے بڑا خطرہ اہل مکہ اور قریش سے تھا، اور جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش اطاعت گزار ہو گئے تو پھر یہ وجہ جاتی رہی اور ہجرت کے وجوب کا حکم اٹھ گیا اور پھر ہجرت کے استحباب کا حکم لوٹ آیا، پس یہاں دو ہجرتیں ہیں، جو ہجرت منقطع ہو چکی ہے، وہ فرض ہے اور جو ہجرت باقی ہے وہ مستحب ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق کا طریقہ ہے"[43]

اگر کسی جگہ پر کفار یا مشرکین مسلط ہو کر مسلمانوں کو نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ پر عمل نہ کرنے دیتے ہو یعنی اسلام پر عمل کرنے کے حوالے سے ہر قسم کی پابندی ہو اور وہ لوگ ہجرت کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہو تو کیا وہاں پر ہجرت کرنا صرف

مستحب ہے؟ جب کہ وہاں رہتے ہوئے فرائض ادا نہیں ہو رہے تو اس موقع پر یہی کہا جائے گا کہ ایسی جگہ سے دارالسلام کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہو گا اسی طرح کسی کو ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا ہو تو کیا اپنی جان کو بچانا فرض نہیں ہے اس صورت میں دارالامن کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہو گا لہٰذا بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اب ہجرت کرنا مستحب ہی رہ گیا ہے یہ کہنا مناسب نہیں ہے اگر حالات اس طرح کہ ہو جائیں کہ دارالکفر یا دارالخوف میں رہنا ناممکن ہو جائے تو اس صورت میں بھی ہجرت کرنا واجب ہو گا بصورتِ دیگر مستحب ہو گا۔

## خلاصہ بحث:

علامہ غلام رسول سعیدی نے علوم الحدیث پر بہت کام کیا ہے۔ مختلف الحدیث پر ان کا کام قابلِ ذکر ہے۔ متعارض احادیث کے درمیان تطبیق کرنا "مختلف الحدیث" کہلاتا ہے۔ مختلف الحدیث کا حکم، تعارض کی صورت میں ترجیح اور تطبیق کے اصول وضع کئے گئے ہیں۔ دیگر شارحین کی نسبت مختلف الحدیث پر علامہ سعیدی کا کام زیادہ نمایاں ہے۔ ایمان، عبادات، اعمال اور دیگر موضوعات پر جتنی بھی متعارض احادیث ہیں ان کے مابین تطبیق کی ہے۔ علامہ سعیدی کے تطبیق کا اسلوب دوسرے شارحین سے منفرد ہے۔ علامہ سعیدی نے بعض جگہ دیگر شارحین سے اتفاق جبکہ بعض جگہ اختلاف بھی کیا ہے جس طرح کہ مثالوں سے واضح ہے۔ ایمان کی شاخوں کے متعلق متعارض روایات، اسلام کی خصلت، حضور ﷺ کی بیت اللہ میں نماز کی ادائیگی، غسل میں پاؤں کو دھونے سے متعلق روایات اور باجماعت نماز کے ثواب پر روایات پر متعارض روایات میں تطبیق کی ہے۔

## مصادر اور مراجع


1 مجد الدین الفیروزآبادی، القاموس المحیط، ج3، ص147؛ احمد بن محمد القیومی، المصباح المنیر، ص179۔

2 حافظ ابن حجر عسقلانی، شرح نخبۃ الفکر، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 2001ء)، ص90۔

3 حافظ ابن حجر عسقلانی، نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، (دمشق:مطبعۃ الصباح،1992ء)، ص73۔

4 حافظ ابن حجر، شرح نخبۃ الفکر، ص:22۔

5 اسامہ بن عبد اللہ خیاط، مختلف الحدیث بین المحدثین والاصولیین الفقہا، (ریاض: دار الفضیلۃ،1421ھ)، ص32۔

6 محمد سرفراز خان صفدر، خزائن السنن، (گجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ، 2000ء)، ج2، ص32۔

7 ایضاً۔

8 ایضاً۔

9 ایضاً۔

10 محمد سرفراز خان صفدر، الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی، (گجرانوالہ: مکتبہ صفدریہ،1993ء)، ص128-127۔

11 سلیم اللہ خاں، کشف الباری، (کراچی: ادارہ الفاروق،2016ء)، ص428۔

12 ابو العرفان محمد انور گھالوی،ضیاء الحدیث،(لاہور:ضیاء القرآن پبلی کیشنز،2011ء)،ج1،ص367۔

13 سلیم اللہ خاں، کشف الباری، ص428۔

14 علامہ غلام رسول سعیدی، نعمت الباری فی شرح صحیح البخاری، (کراچی:ضیاء القرآن پبلی کیشنز،2012)، ج10، ص93۔

15 ابوعیسیٰ ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجآء فی استکمال الایمان وزیادتہ ونقصانہ، رقم الحدیث:2614۔

16 مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان وافضلھا وادناھا وفضیلۃ الحیاء وکونہ من الایمان، رقم الحدیث:153۔

17 ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن نسائی، سنن نسائی، کتاب الایمان وشرائعہ، باب ذکر شعب الایمان، رقم الحدیث:5008۔

18 تقی عثمانی، انعام الباری، (کراچی: مکتبۃ الحراء،2017ء)، ج1، ص359۔

19 مولانا معین الدین خٹک، معین القاری، (گجرانوالہ: جامعہ عربیہ، 2004ء)، ج2، ص93۔

20 التوبہ،9 :80۔

21 سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانی ابوداوَد، سنن ابوداوَد، کتاب اَبواب السلام، باب کیف السلام، رقم الحدیث:5195۔

22 محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب ای الاسلام افضل، رقم الحدیث:11۔

23 ایضاً، رقم الحدیث:12۔

24 خٹک، معین القاری، ج2، ص119۔

25 سعیدی، نعمۃ الباری، ج1، ص188۔

26 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب الصلوٰۃ فی مسجد السوق، رقم الحدیث:477۔

27 ایضاً، کتاب الاذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، رقم الحدیث:645۔

28 عثمانی، انعام الباری، ج:3، ص249۔

29 سعیدی، نعمۃ الباری، ج2، ص292-293۔

30 محمد بن یوسف کرمانی، شرح الکرمانی، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1401ھ)، ج4، ص139۔

31 بدرالدین عینی، عمدۃ القاری، (مصر: الطبعۃ المنیریہ، 1348 ھ)، ج 4، ص381۔
32 سعیدی، نعمۃ الباری، ج2، ص294۔
33 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث:397۔
34 ترمذی، جامع ترمذی، کتاب الحج عن الرسول اللہ، باب ماجآء فی الصلوۃ فی الکعبۃ، رقم الحدیث:874۔
35 عثمانی، انعام الباری، ج3، ص138۔
36 سعیدی، نعمۃ الباری، ج2، ص141۔
37 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل، رقم الحدیث:248۔
38 أیضاً۔
39 سعیدی، نعمۃ الباری، ج1، ص728۔
40 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب فضل الجہاد والسیر، رقم:2783۔
41 سجستانی، سنن أبی داؤد، کتاب الجہاد، رقم الحدیث:2479۔
42 النساء، 4:100۔
43 سعیدی، نعمۃ الباری، ج5، ص646۔